بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

اشارات

اصلاح و تعمیر کی سعی کرنے والوں کو جن بڑی بڑی برائیوں سے بچنے کی فکر کرنی چاہیئے ان میں سے تین کا ذکر پچھلی اشاعت میں کیا جا چکا ہے، یعنی کبر، ریا اور فساد نیت۔ اسلامی عقیدہ و اخلاق کے نقطۂ نظر سے ان کی حیثیت بنیادی عیوب کی ہے۔ کیونکہ ان میں سے ہر عیب اُس اصل و اساس ہی کو ڈھا دیتا ہے جس پر کسی سعی کے سعیِ خیر اور کسی عمل کے فی سبیل اللہ ہونے کا انحصار ہے۔ اس لیے اُن کا کوئی شائبہ تک ان لوگوں میں نہ پایا جانا چاہیئے جو مسلم معاشرے کی اصلاح اور اسلامی نظامِ زندگی کی تعمیر کا نیک ارادہ لے کر اٹھیں۔

اس کے بعد دوسرا درجہ اُن برائیوں کا ہے جو اساس و بنیاد کو تو نہیں ڈھاتیں مگر اپنی تاثیر کے لحاظ سے کام بگاڑنے والی ہیں، اور اگر تساہل و تغافل برت کر اُن کو پرورش پانے دیا جائے تو تباہ کن ثابت ہوتی ہیں۔ شیطان انہیں ہتھیاروں سے خیر کی راہ مارنے اور انسانی کوششوں کو بھلائی سے برائی کی طرف موڑنے اور معاشرے میں فساد ڈلوانے کا کام لیتا ہے۔ اگرچہ معاشرے کی صحت کے لئے ہر حال میں اِن عیوب کا سدِّباب ضروری ہے۔ لیکن خصوصیّت کے ساتھ ان افراد اور جماعتوں کو تو ان سے بالکل پاک رہنا چاہیئے۔ جن کے پیشِ نظر اصلاحِ معاشرہ اور اقامتِ دینِ حق کا مقصدِ عظیم ہو۔

اِس نوعیت کے عیوب کا گہری نظر سے جائزہ لیا جائے تو معلوم ہوتا ہے کہ ان کا منبع دراصل، انسان کی بعض مخصوص کمزوریاں ہیں جن میں سے ہر ایک عیوب کے ایک پورے خاندان کو جنم دیتی ہے۔ سہولتِ فہم کے لئے مناسب طریقہ یہ ہوگا کہ ہم ایک ایک کمزوری کو لے کر پہلے اس کی حقیقت کو سمجھیں، پھر یہ دیکھیں کہ وہ کس طرح۔ کس تدریج سے عیب آفریں بنتی ہے۔ اور نشو و نما پا کر کیا کیا خرابیاں پیدا کرتی ہے۔ اس طرح ہر برائی کا سراہم کو مل جائے گا اور ہم یہ جان سکیں گے کہ اس کی اصلاح کے لئے کس جگہ مرہم تدبیر استعمال کرنا چاہیئے۔

انسان کی کمزوریوں میں سے سب سے بڑی اور سخت فساد انگیز کمزوری "نفسانیت" ہے۔ اس کی اصل تو حُبِّ نفس کا وہ فطری جذبہ ہے جو بجائے خود کوئی بُری چیز نہیں بلکہ اپنی حد کے اندر ضروری بھی ہے اور مفید بھی۔ اللہ تعالیٰ نے یہ جذبہ انسان کی فطرت میں اس کی بھلائی کے لئے ودیعت فرمایا ہے تاکہ وہ اپنی حفاظت اور اپنی فلاح و ترقی کے لئے کوشش کرے۔ لیکن جب یہی جذبہ شیطان کی اکساہٹ سے عشقِ نفس اور پرستشِ نفس اور خود مرکزیت میں تبدیل ہو جاتا ہے تو مصدرِ خیر ہونے کے بجائے منبعِ شر بن جاتا ہے اور پھر ہر درجۂ ارتقاء میں اس سے عیوب کا ایک نیا سلسلہ وجود میں آتا چلا جاتا ہے۔

برائی کی طرف اس جذبے کی پیش قدمی کا آغاز اس طرح ہوتا ہے کہ آدمی اپنی جگہ اپنے آپ کو بے عیب اور مجموعۂ محاسن سمجھ بیٹھتا ہے، اپنی خامیوں اور کمزوریوں کا احساس کرنے سے اغماض برتتا ہے۔ اور اپنے ہر نقص یا قصور کی تاویل کر کے اپنے دل کو مطمئن کر لیتا ہے کہ میں ہر لحاظ سے بہت اچھا ہوں۔ یہ خود پسندی پہلے ہی قدم پر اُس کی اصلاح و ترقی کا دروازہ اُس کے اپنے ہاتھوں سے بند کرا دیتی ہے۔

پھر جب یہ "من چہ خوب" کا احساس لئے ہوئے آدمی اجتماعی زندگی میں آتا ہے تو اُس کی خواہش یہ ہوتی ہے کہ جو کچھ اُس نے اپنے آپ کو فرض کر رکھا ہے وہی کچھ دوسرے بھی اُسے سمجھیں وہ صرف تعریف و تحسین سُننا چاہتا ہے۔ تنقید اُسے گوارا نہیں ہوتی۔ خیر خواہانہ نصیحت تک سے اس کی خودی کو ٹھیس لگتی ہے۔ اس طرح یہ شخص اپنے لئے داخلی وسائلِ اصلاح کے ساتھ خارجی وسائلِ اصلاح کا بھی سدِّ باب کر لیتا ہے۔

مگر کوئی شخص بھی دُنیا میں ایسا نہیں ہو سکتا جس کو اجتماعی زندگی میں ہر لحاظ سے اپنی خواہش اور اپنی پسند ہی کے مطابق حالات مل جائیں۔ خصوصیت کے ساتھ خود پسند اور خود پرست آدمی کو تو یہاں ہر طرف سے چرکے لگتے ہیں۔ کیونکہ اس کی خودی اپنے اندر وہ اسباب لئے ہوئے آتی ہے جو معاشرے کی بے شمار خودیوں کے ساتھ اس کا تصادم ناگزیر کرا دیتے ہیں اور معاشرے کے مجموعی حالات بھی اس کی توقعات و خواہشات سے خواہ مخواہ ٹکراتے ہیں۔ یہ صورتِ حال اس شخص کو صرف اس

حد پر نہیں رہنے دیتی کہ وہ بس اپنی اصلاح کے داخلی و خارجی وسائل سے محروم ہو کر رہ جائے بلکہ دوسروں سے تصادم کے بچر کے اور توقعات کی شکست کے صدمے اس کی مجروح خودی کو پیہم ایک سے ایک شدید تر برائی میں مبتلا کرتے چلے جاتے ہیں۔ وہ بہت سے لوگوں کو زندگی میں اپنے سے بہتر پاتا ہے۔ بہت سے لوگوں کے متعلق وہ محسوس کرتا ہے کہ معاشرہ ان کو اس سے زیادہ وقعت دے رہا ہے۔ بہت سے لوگ اس کو وہ وقعت نہیں دیتے جس کا وہ طالب ہوتا ہے بہت سے لوگ اس کے ان مراتب تک پہنچنے میں مانع ہوتے ہیں جن کا وہ اپنے آپ کو مستحق سمجھتا ہے بہت سے لوگ اس پر تنقید کرتے ہیں، بلکہ اس کی تنقیص تک کر ڈالتے ہیں۔ یہ مختلف حالات اس کے دل میں کسی کے خلاف حسد کی، اور کسی کے خلاف بغض اور کینے کی آگ بھڑکا دیتے ہیں۔ وہ دوسروں کے حالات کا تجسس کرتا ہے۔ دوسروں کے عیب ڈھونڈتا ہے۔ غیبتیں کرتا ہے اور غیبتیں سُن کر لذت لیتا ہے۔ چغلیاں کھاتا ہے۔ بجویٰ اور سرگوشیاں اور سازشیں کرتا پھرتا ہے۔ اور اگر اس کے اخلاق کی بندشیں ڈھیلی ہوں۔ یا ان مشاغل میں پیہم مشغول رہنے سے ڈھیلی ہو جائیں تو پھر ان گناہوں سے آگے بڑھ کر جھوٹ افترا، بہتان اور دوسرے قبیح تر جرائم کا ارتکاب کرنے لگتا ہے۔ ان برائیوں کے چکر میں پھنس کر وہ اخلاق کی انتہائی پستیوں تک پہنچنے سے نہیں بچ سکتا۔ اِلّا یہ کہ کسی مرحلے پر پہنچ کر اسے خود ہی اپنی اس ابتدائی غلطی کا احساس ہو جائے جس نے اسے اس راستے پر ڈالا تھا۔

یہ کیفیت اگر کسی ایک ہی شخص کی ہو تو اس سے کوئی اجتماعی فساد رونما نہیں ہوتا۔ اس کا اثر زیادہ سے زیادہ چند اشخاص تک پہنچ کر رہ جاتا ہے۔ لیکن اگر اسی نفسانیت کے بہت سے مریض موجود ہوں تو ان کے سبب سے پوری اجتماعی زندگی میں فساد پھیل جاتا ہے۔ ظاہر بات ہے کہ جہاں آپس کی بدظنی، تجسس، عیب چینی، غیبت اور چغل خوری کا ایک سلسلہ چل رہا ہو۔ جہاں بہت سے لوگ دلوں میں ایک دوسرے کے خلاف برائی پال رہے ہوں اور بغض و حسد کی بنا پر ایک دوسرے کو نیچا دکھانے کی کوشش میں لگے ہوئے ہوں۔ اور جہاں

بہت سی مجروح خود یاں انتقام کے جذبات سے لبریز ہوں، وہاں پھوٹ پڑے بغیر نہیں رہ سکتی۔ وہاں کوئی تیز دھڑے بندیوں کو نہیں روک سکتی۔ وہاں کسی تعمیری تعاون تو درکنار، تعلقات کی خوشگواری تک کا امکان باقی نہیں رہتا۔ ایسے ماحول میں کشیدگی اور کشمکش ناگزیر ہے اور وہ صرف نفسانیت کے مریضوں تک ہی محدود نہیں رہتی بلکہ رفتہ رفتہ اچھے خاصے نیک نفس لوگ اس میں مبتلا ہوتے چلے جاتے ہیں۔ اس لئے کہ ایک نیک نفس آدمی منہ پر تو بجا تنقید ہی نہیں بے جا تنقید کو بھی گوارا کر سکتا ہے مگر غیبت اس کے دل میں غبار پیدا کئے بغیر نہیں رہتی۔ اور اس کا کم سے کم اتنا اثر تو ہوتا ہی ہے کہ غیبت کرنے والوں پر اعتماد کرنا اس کے لئے ممکن نہیں رہتا۔ اس طرح ایک نیک نفس آدمی ان سب زیادتیوں کو معاف کر سکتا ہے جو بغض یا حسد کی بنا پر اس کے ساتھ کی جائیں۔ وہ بدگوئی، الزام تراشی، جھوٹے پروپیگنڈا اور اس سے بھی زیادہ اذیت بخش چیزوں کو بھی نظر انداز کر سکتا ہے۔ لیکن اس کے لئے یہ ممکن نہیں ہوتا کہ جن لوگوں سے ان صفات کا ذاتی تجربہ اس کو ہو چکا ہو اُن سے وہ اطمینان کے ساتھ کوئی معاملہ کر سکے۔ اس سے اندازہ کیا جا سکتا ہے کہ جس اجتماعی ماحول میں یہ عیوب بر روئے کار آ جاتے ہیں۔ وہ کس طرح شیطان کی من بھاتی چراگاہ بن کر رہتا ہے۔ حتیٰ کہ اس میں بہتر سے بہتر آدمی بھی چاہے کشمکش سے بچ جائیں۔ کشیدگی سے نیچے نہیں رہ سکتے۔

اس کے بعد یہ کہنے کی ضرورت باقی نہیں رہتی کہ جو لوگ اصلاح و تعمیر کے لئے مل کر اجتماعی جدوجہد کرنا چاہتے ہوں ان کی جماعت کا ان امراض سے پاک ہونا کس قدر ضروری ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ نفسانیت کے جراثیم ایسی جماعت کے لئے طاعون اور ہیضے کے جراثیم سے زیادہ خطرناک ہیں۔ ان کی موجودگی میں کسی تعمیر صالح کا تصور نہیں کیا جا سکتا۔

شریعتِ الٰہی اس مرض کے مبدأ آغاز سے اس کا علاج شروع کرتی ہے اور پھر ہر مرحلے پر اس کے سدِّباب کے لئے ہدایات دیتی ہے۔ قرآن اور حدیث میں جگہ جگہ اہلِ ایمان کو توبہ و استغفار کی جو تلقین کی گئی ہے اُس کا منشا یہی ہے کہ مومن کسی وقت بھی اعجابِ نفس اور خود پسندی میں مبتلا نہ ہو۔ کبھی اپنے آپ کو بڑی چیز نہ سمجھے۔ ہر وقت اپنی کمزوریوں اور خامیوں کا احساس اور اپنی خطاؤں اور لغزشوں کا اعتراف ہی کرتا رہے اور بڑے

سے بڑا کارنامہ انجام دینے کے بعد بھی اُس پر پھولنے کے بجائے عاجزی کے ساتھ اپنے خدا کے حضور یہی درخواست پیش کرے کہ خدمت میں جو کوتاہیاں رہ گئی ہیں اُن سے درگزر فرمایا جائے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے بڑھ کر مجموعۂ کمالات اور کون ہو سکتا ہے۔ اور آپ سے بڑا کارنامہ دنیا میں کس انسان نے انجام دیا ہے۔ مگر تاریخ کے اس عظیم ترین کارنامے کو انتہا تک پہنچا کر جب آپ فارغ ہوئے تو دربار الٰہی سے جو تلقین آپ کو فرمائی گئی وہ یہ تھی کہ

"إِذَا جَاءَ نَصْرُ اللَّهِ وَالْفَتْحُ وَرَأَيْتَ النَّاسَ يَدْخُلُونَ فِي دِينِ اللَّهِ أَفْوَاجًا فَسَبِّحْ بِحَمْدِ رَبِّكَ وَاسْتَغْفِرْهُ إِنَّهُ كَانَ تَوَّابًا"

جب اللہ کی مدد آگئی اور فتح نصیب ہو گئی اور تم نے لوگوں کو اللہ کے دین میں فوج در فوج داخل ہوتے دیکھ لیا تو اب اپنے رب کی حمد کے ساتھ اس کی تسبیح کرو۔ اور اس سے مغفرت چاہو۔ یقیناً وہ بڑا توبہ قبول کرنے والا ہے۔

یعنی جو کارِ عظیم تم نے انجام دیا اس کے متعلق تم یہ سمجھو کہ اس کی تعریف تمہیں نہیں بلکہ تمہارے رب کو پہنچتی ہے جس کے فضل و کرم سے تم اتنا بڑا کام کر دکھانے میں کامیاب ہوئے۔ اور اپنے متعلق تمہارا احساس یہی ہونا چاہیئے کہ جو حق خدمت تھا وہ پھر بھی ادا نہ ہوا۔ اس لئے انعام مانگنے کی بجائے اپنے رب سے یہ التجا کرو کہ خدمت میں جو کچھ کسر رہ گئی ہے اس سے درگزر فرمائیے۔ چنانچہ بخاری مسلم میں حضرت عائشہ کی روایت ہے کہ کان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یکثر ان یقول قبل موتہ سبحان اللہ وبحمدہ استغفر اللہ واتوب الیہ"۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنی وفات سے پہلے اکثر یہ فرمایا کرتے تھے کہ میں اللہ کی حمد کے ساتھ اس کی تسبیح کرتا ہوں۔ اور اللہ سے مغفرت مانگتا ہوں اور اس کے حضور توبہ کرتا ہوں۔ اور ویسے بھی توبہ و استغفار ہمیشہ ہی آنحضور کا معمول تھا۔ بخاری میں حضرت ابوہریرہ کی روایت ہے کہ انہوں نے حضور کو فرماتے سنا کہ واللہ انی استغفر اللہ واتوب الیہ فی الیوم اکثر من سبعین مرۃ"۔ خدا کی قسم میں ہر روز ستر مرتبہ سے زیادہ اللہ سے استغفار اور توبہ کرتا ہوں۔

اس تعلیم کی روح اگر کوئی شخص اپنے اندر جذب کرے تو اس کے ذہن میں نفسانیت کا وہ بیج کبھی جڑ ہی نہیں پکڑ سکتا۔ جو برگ و بار لاکر فتنہ و فساد کے لبس بھرے پھل دیتا ہے۔

اس پر بھی اگر کسی نفس میں یہ خرابی پیدا ہو ہی جاتے تو شریعت الٰہی اخلاق اور عملی رویے میں اس کے ظہور اور نشو و نما کو ہر قدم پر روکتی ہے۔ اور اس کے بارے میں سخت احکام دیتی ہے۔ مثلاً اس کا پہلا ظہور اس شکل میں ہوتا ہے۔ کہ آدمی اپنے آپ کو تنقید سے بالاتر سمجھتا اور منوانے کی کوشش کرتا ہے اور اس بات کو برداشت نہیں کرتا کہ کوئی شخص اسے کسی غلطی پر ٹوکے۔ شریعت الٰہی اس کے برعکس امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کو تمام اہل ایمان پر لازم کرتی ہے۔ اور خاص طور پر بڑی اقتدار ظالموں کے مقابلے میں کلمہ حق کہنے کو تو افضل الجہاد قرار دیتی ہے تاکہ مسلم معاشرے میں بلائی پر ٹوکنے اور بھلائی کی تلقین کرنے کا ایسا ماحول پیدا ہو جائے جس میں نفسانیت پنپ ہی نہ سکے۔

اس کا دوسرا ظہور بغض و حسد کی شکل میں ہوتا ہے۔ جیسے آدمی ہر اس شخص کے خلاف دل میں پالنا شروع کرتا ہے۔ جس سے اس کی نفسانیت کو چوٹ لگی ہو۔ اور پھر اس سے تعلقات کی خرابی کا آغاز ہوتا ہے۔ شریعت الٰہی اس چیز کو گناہ قرار دیتی ہے۔ اور اس پر سخت وعید سناتی ہے۔ نبی صلے اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے ایاکم والحسد فان الحسد یاکل الحسنات کما تاکل النار الحطب۔ "خبردار حسد نہ کرو۔ کیونکہ حسد آدمی کی نیکیوں کو اس طرح کھا جاتا ہے جیسے آگ سوکھی لکڑیوں کو چٹ کر جاتی ہے۔" احادیث میں متعدد الفاظ کے ساتھ حضور کے یہ تاکیدی ارشادات وارد ہوئے ہیں۔ کہ لاتباغضوا (ایک دوسرے سے بغض نہ رکھو) لاتحاسدوا (ایک دوسرے سے حسد نہ کرو) لاتدابروا (ایک دوسرے سے پیٹھ نہ پھیرو)۔ لاتقاطعوا (ایک دوسرے سے قطع تعلق نہ کرو) لایحل لمسلم ان

لاتقاطعوا (ایک دوسرے سے قطع تعلق نہ کرو) لایحل لمسلم ان یھجر اخاہ فوق ثلاث (کسی مسلم کے لئے حلال نہیں ہے۔ کہ تین دن سے زیادہ اپنے مسلمان بھائی سے تعلقات توڑے رکھے

اس کا تیسرا قدم بدگمانی کی طرف اٹھتا ہے اور پھر تجسس کر کر کے آدمی دوسروں کے عیوب ٹٹولنے لگتا ہے۔ بدگمانی کی حقیقت یہ ہے کہ آدمی اپنے سوا ہر ایک کے متعلق یہ ابتدائی مفروضہ قائم کرتا ہے کہ وہ ضرور برا ہے اور بظاہر اس کی جو چیز قابل اعتراض نظر آتی ہے اس کی کوئی اچھی توجیہ کرنے کے بجائے ہمیشہ بری توجیہ کرتا ہے اور تحقیق کی بھی ضرورت نہیں سمجھتا۔ تجسس اسی بدگمانی کا ایک شاخسانہ ہے۔ آدمی دوسروں کے متعلق پہلے بری رائے قائم کرتا ہے۔ پھر اس کا ثبوت فراہم کرنے کے لئے ان کے حالات کی ٹوہ لگانی شروع کرتا ہے۔ قرآن ان دونوں چیزوں کو گناہ قرار دیتا ہے۔ سورۂ حُجُرات میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ اِجْتَنِبُوْا كَثِيْرًا مِّنَ الظَّنِّ اِنَّ بَعْضَ الظَّنِّ اِثْمٌ وَّلَا تَجَسَّسُوْا "بہت گمان کرنے سے بچو کیونکہ بعض گمان گناہ ہوتے ہیں۔ اور تجسس نہ کرو"۔ حدیث میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے ایاکم والظن فان الظن اکذب الحدیث "خبردار، بدگمانی نہ کرو کیونکہ بدگمانی بدترین جھوٹ ہے" حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کی روایت ہے کہ انا قد نہینا عن التجسس ولکن ان یظہر لنا شئ ناخذ بہ "ہم کو ٹوہ لگانے اور عیوب ٹٹولنے سے منع کیا گیا ہے۔ البتہ اگر ہمارے سامنے کوئی بات کھل جائے تو اس پر ہم پکڑیں گے"۔ حضرت معاویہؓ کا بیان ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا انک ان اتبعت عورات المسلمین افسدتھم "اگر تم مسلمانوں کے پوشیدہ احوال کی کھوج کرید کرو گے تو ان کو بگاڑ دو گے"۔

ان مراحل کے بعد غیبت کا دور شروع ہوتا ہے۔ اس کی بنیاد خواہ بدگمانی پر ہو، یا حقیقت پر، دونوں حالتوں میں کسی شخص کو ذلیل کرنے اور اس کی تذلیل سے لذت یا فائدہ اٹھانے کی خاطر اس کے پیٹھ پیچھے اس کی برائی کرنا غیبت ہے۔ حدیث میں اس کی تعریف یہ بیان کی گئی ہے کہ ذکرک اخاک بما یکرہ "تیرا اپنے بھائی کی غیر موجودگی میں اس کا ذکر اس طرح کرنا کہ اسے معلوم ہو تو ناگوار ہو"۔ بنی صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا گیا کہ اگر ہمارے بھائی میں وہ برائی موجود ہو جس کا ذکر کیا

(بقیہ بر صفحہ ۶۰)

(بقیہ اشارات)

گیا ہے تو کیا پھر بھی یہ غیبت ہو گی؟ فرمایا: ان کان فیہ ما تقول فقد اغتبتہ وان لم یکن فیہ ما تقول فقد بہتّہ "اگر اس میں وہ برائی ہے اور تو نے بیان کی تو غیبت کی، اور اگر اس میں وہ نہیں ہے تو غیبت سے بڑھ کر تو نے بہتان لگایا"۔ قرآن اس فعل کو حرام قرار دیتا ہے۔ چنانچہ سورۂ حجرات میں ارشاد ہے وَلَا يَغْتَبْ بَّعْضُكُم بَعْضًا ۚ أَيُحِبُّ أَحَدُكُمْ أَن يَأْكُلَ لَحْمَ أَخِيهِ مَيْتًا فَكَرِهْتُمُوهُ "اور تم میں سے کوئی کسی کی غیبت نہ کرے۔ کیا تم میں سے کوئی یہ پسند کرے گا کہ اپنے مردہ بھائی کا گوشت کھائے؟ اس سے تو تم خود نفرت کرو گے"۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے کل المسلم علی المسلم حرام دمہ وعرضہ ومالہ "ہر مسلمان کی جان و مال اور عزت دوسرے مسلمان پر حرام ہے"۔ اس سے مستثنیٰ صرف وہ صورتیں ہیں جن میں کسی کی برائی کرنے کی جائز ضرورت ہو اور اس میں بدخواہی کی نیت شامل نہ ہو۔ مثلاً کسی مظلوم کا ظالم کی شکایت اس لئے کرنا کہ کوئی اس کی فریاد رسی کرے۔ اس کی اجازت خود قرآن میں دی گئی ہے۔ لَا يُحِبُّ اللَّهُ الْجَهْرَ بِالسُّوءِ مِنَ الْقَوْلِ إِلَّا مَن ظُلِمَ "اللہ برائی پر زبان کھولنا پسند نہیں کرتا الا یہ کہ کسی شخص پر ظلم ہوا ہو"۔ یا مثلاً ایک شخص دوسرے شخص سے بیٹی بیاہ رہا ہو یا اس سے کوئی کاروباری معاملہ طے کر رہا ہو اور فریقین میں سے کوئی اس معاملہ میں کسی جاننے والے سے مشورہ لے۔ اس صورت میں جو واقعی برائی آدمی کے علم میں ہو اُسے خیر خواہی کی بنا پر بیان کر دینا نہ صرف جائز بلکہ ضروری ہے۔ خود نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ایسے مواقع پر برائی بیان کی ہے۔ چنانچہ حدیث میں آتا ہے کہ دو صاحبوں نے فاطمہ بنت قیس کو نکاح کا پیغام دیا۔ انہوں نے حضور سے مشورہ طلب کیا۔ آپ نے انہیں خبردار کیا کہ ان میں سے ایک صاحب کنگال ہیں، اور دوسرے صاحب بیویوں کو پیٹنے کے عادی ہیں۔ اسی طرح شریعت کو غیر معتبر راویوں کی روایات سے محفوظ کرنے کیلئے ان کے عیوب بیان کرنا تمام علماء امت نے بالاتفاق جائز رکھا اور ائمہ حدیث نے عملاً اس خدمت کو انجام دیا، کیونکہ دین کیلئے اسکی ضرورت تھی۔ خلقِ خدا پر علانیہ ظلم کرنے والوں اور فسق و فجور پھیلانے والوں اور کھلے کھلے بدکردار لوگوں کی مذمت کرنا بھی جائز ہے اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے اپنے عمل سے اس کا جواز ثابت ہے۔ اس طرح مستثنیٰ صورتوں کے ماسوا غیبت ہر حال میں حرام ہے اور اس کا سننا بھی گناہ ہے۔ سننے والوں پر لازم ہے کہ یا تو غیبت کرنے والے کو روکیں، یا اس شخص کی مدافعت کریں جس کی غیبت کی جا رہی ہو۔ یا بدرجۂ آخر اس محفل سے اٹھ جائیں جہاں ان کے مرے ہوئے بھائی کا گوشت کھایا جا رہا ہو۔

غیبت سے جو آگ لگتی ہے اسے پھیلانے کی خدمت چغلخوری انجام دیتی ہے اور اس میں بھی اصل محرک وہی نفسانیت کا جذبہ ہوتا ہے چغل خور کسی کا خیر خواہ بھی نہیں ہوتا نہ اس کا جس کی برائی کی گئی ہو اور نہ اس کا جس نے برائی کی ہو وہ دوست دونوں کا بنتا ہے مگر دراصل دونوں کا بدخواہ ہوتا ہے اسی لئے ایک کی بات کان لگا کر سنتا ہے اور اس کی تردید نہیں کرتا پھر دوست کو اسکی خبر پہنچاتا ہے تاکہ جو آگ اب تک ایک جگہ لگی ہوئی تھی وہ دوسری جگہ بھی لگ جائے۔ شریعت الہی میں اس چیز کو بھی حرام کیا گیا ہے۔ کیونکہ یہ فساد انگیزی میں غیبت سے بھی بڑھ کر ہے قرآن مجید میں جن اوصاف کو آدمی کی بدترین صفات میں شمار کیا گیا ہے ان میں سے ایک چغلخوری کرتے پھرنا بھی ہے (مشّاءٍ بنمیم) حدیث میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ لا یدخل الجنۃ نمام۔ کوئی چغل خور جنت میں داخل نہیں ہو سکتا۔ ایک دوسری حدیث میں ہے کہ حضور نے فرمایا تجدون شر الناس ذا الوجھین الذی یاتی ھؤلاء بوجہ وھؤلاء بوجہ تم بدترین انسان اس شخص کو پاؤ گے جس کے دو منہ ہیں کچھ لوگوں کے پاس ایک منہ لے کر آتا ہے اور کچھ دوسرے لوگوں کے پاس دوسرا منہ لے کر جاتا ہے۔ صحیح اسلامی رویہ یہ ہے کہ آدمی جہاں کسی کی غیبت سنے وہیں یا تو اس کی تردید کرے یا پھر فریقین کی موجودگی میں اس معاملہ کو چھیڑ کر اس کی صفائی ایسے طریقے سے کرائے جن سے ایک فریق کو یہ شبہ نہ ہو کہ دوسرے فریق نے اس کی غیر موجودگی میں اس کی برائی کی تھی۔ اور اگر غیبت کسی ایسی برائی پر ہو جو واقعی شخص مذکور میں پائی جاتی ہو تو ایک طرف غیبت کرنے والے کو اس کے گناہ پر متنبہ کرے اور دوسری طرف اس شخص کو بھی اپنی اصلاح کے لئے توجہ دلائے جس کی برائی بیان کی گئی تھی۔

اس سلسلہ فساد کی انتہائی کڑی بخوی ہے یعنی کھسر پھسر، سرگوشیاں اور خفیہ مشورے، جن سے بالآخر سازشوں اور خفیہ بندیوں تک نوبت پہنچتی ہے اور ایک

دوسرے کے خلاف کشمکش کرنے والے دھڑے وجود میں آتے ہیں۔ شریعت الٰہی اس کو بھی سختی کے ساتھ منع کرتی ہے قرآن مجید میں اس کو ایک شیطانی حرکت قرار دیا گیا ہے (اِنَّمَا النَّجْوٰی مِنَ الشَّیْطٰنِ) اور اس کے بارے میں یہ اصول ہدایت دی گئی ہے کہ اِذَا تَنَاجَیْتُمْ فَلَا تَتَنَاجَوْا بِالْاِثْمِ وَالْعُدْوَانِ وَمَعْصِیَتِ الرَّسُوْلِ وَتَنَاجَوْا بِالْبِرِّ وَالتَّقْوٰی۔ یعنی دو یا چند آدمیوں کی علیحدگی میں گفتگو کرنا اگر نیک مقاصد کے لئے اور تقوٰی کے حدود میں ہو تو اس نجویٰ کی تعریف میں نہیں آتا جو ممنوع ہے البتہ وہ گفتگو ضرور نجویٰ اور ممنوع نجویٰ ہے جو جماعت سے آنکھ بچا کر اخفا کے اہتمام کے ساتھ اس غرض کے لئے کی جائے کہ کسی برے کام کی اسکیم بنانی ہے یا کسی دوسرے شخص یا گروہ کے خلاف کوئی کارروائی کرنی ہے یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے احکام و فرامین کی خلاف ورزی کا ارتکاب کرنا ہے ایماندارانہ اور مخلصانہ اختلافات کبھی نجوے کے محرک نہیں ہو سکتے۔ ان کی بات چیت کھلم کھلا ہوتی ہے بر سر عام جماعت کے سامنے ہوتی ہے۔ دلیل کے ساتھ قائل کرنے یا قائل ہونے کے لئے ہوتی ہے اور اس بات چیت سے اگر اختلافات باقی بھی رہ جاتے ہیں تو وہ کبھی موجب فساد نہیں ہوتے جماعت سے الگ ہٹ کر اخفا کے اہتمام کے ساتھ سرگوشیاں کرنے کی ضرورت صرف انہی اختلافات میں پیش آتی ہے جو اگر بالکل نفسانیت پر مبنی نہ بھی ہوں تو کم از کم ان میں نفسانیت کی آمیزش ضرور ہوتی ہے۔ ایسی سرگوشیاں کبھی نیک نتیجہ پیدا نہیں کرتیں انکی ابتدا چاہے کتنی ہی معصوم ہو رفتہ رفتہ وہ پوری جماعت کو آپس کی بدگمانیوں۔ تفرقوں اور دھڑے بندیوں کی چھوت لگا دیتی ہیں باہم بحث و پزکر کے جب چند آدمی ایک جتھے کی صورت میں نمودار ہوتے ہیں تو پھر دوسرے لوگوں میں بھی ایسی ہی بحث و پزکرنے اور جتھے بنانے کا رجحان پیدا ہو جاتا ہے اور یہیں سے اس بگاڑ کی ابتدا ہوتی ہے جو بہترین اہل خیر کی جماعتوں کو بھی ٹکڑے ٹکڑے کر کے باہم دست و گریباں کر دیتا ہے۔

آخری مرحلہ وہ ہے جبکہ یہ بگاڑ عملاً رونما ہو جائے۔ یہ وہ چیز ہے جس سے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے مسلمانوں کو بار بار متنبہ کیا ہے۔ شدت کے ساتھ ڈرایا ہے۔ اور سختی کے ساتھ بچنے کی تاکید فرمائی ہے۔ آپ نے فرمایا ان الشیطان قد یئس ان یعبدہ المصلون فی جزیرۃ العرب ولکن فی التحریش بینھم۔ شیطان اب اس بات سے تو مایوس ہو چکا ہے۔ کہ عرب میں جو لوگ نماز پڑھنے لگے ہیں، وہ پھر اس کی عبادت کرنے لگیں گے۔ اب اس کی ساری امیدیں صرف ان کے اندر بگاڑ پیدا کرنے اور ان کو باہم لڑانے ہی سے وابستہ رہ گئی ہیں۔ حتیٰ کہ آپ نے یہاں تک فرمایا کہ لا ترجعوا بعدی کفاراً یضرب بعضکم رقاب بعض "میرے بعد کافر نہ ہو جانا کہ ایک دوسرے کی گردن مارنے لگو۔ اس طرح کی حالت پیدا ہو جانے کی صورت میں اہل ایمان کو جو طریقہ سکھایا گیا ہے۔ وہ یہ ہے کہ اول تو آدمی خود فتنے میں حصہ لینے سے بچے۔ ان السعید لمن جنب الفتن "خوش قسمت وہ ہے جو فتنوں سے بچ گیا اور جو جتنا بھی اس سے دور رہے اتنا ہی زیادہ بہتر ہے۔ النائم فیھا خیر من الیقظان، والیقظان فیھا خیر من القائم، والقائم فیھا خیر من الساعی "اس حالت میں سونے والا جاگنے والے سے بہتر ہے۔ اور جاگنے والا کھڑے ہونے سے بہتر ہے۔ اور کھڑا ہوا دوڑنے والے سے بہتر ہے"۔ دوسرے یہ اگر وہ حصہ لے تو لڑنے والوں سے ایک فریق بن کر نہیں بلکہ صدق دل سے اصلاح کی کوشش کرنے والا بن کر لے جس کے متعلق صاف صاف ہدایات سورہ حجرات کے پہلے رکوع میں دی گئی ہیں۔

نفسانیت کی اس حقیقت اور اس کے نشوونما اور ظہور کے ان مراتب اور ہر مرتبے کے متعلق شریعت الٰہی کے ان احکام کو ذہن نشین کر لینا ان تمام لوگوں کیلئے ضروری ہے جو خیر و صلاح کی خدمت کرنے کیلئے مجتمع ہوں۔ ان میں سے ہر شخص کو پوری کوشش کرنی چاہئے کہ وہ اپنے آپ کو خود پسندی کے مرض سے بچائے۔ اور ان اخلاقی و روحانی نقصانات کو سمجھے جو اس مرض میں مبتلا ہونے سے پہنچتے ہیں

ان کی جماعت کو بھی بحیثیت مجموعی اس معاملہ میں چوکنا رہنا چاہیئے کہ کہیں اس کے اندر نفسانیت کے جراثیم کو انڈے بچے دینے کا موقع نہ مل جائے۔ انہیں اپنے دائرے میں کسی ایسے شخص کی ہمت افزائی نہ کرنی چاہیئے جو اپنے اوپر تنقید سن کر بپھر جائے اپنی غلطی کا اعتراف کرنے سے استکبار برتے۔ انہیں ہر اس شخص کو دبانا چاہیئے جس کی باتوں سے بغض و حسد کی بو آئے یا جس کا طرز عمل یہ بتارہا ہو کہ وہ کسی شخص سے ذاتی کد رکھتا ہے۔ انہیں ایسے لوگوں کی بھی خبر لینی چاہیئے جو دوسروں کے معاملہ میں بدگمانی سے کام لیں، یا دوسروں کے حالات کی ٹوہ لگا کر ان کے عیوب تلاش کرنے کی کوشش کریں۔ انہیں اپنی سوسائٹی میں غیبت اور نمّامی کا بھی انسداد کرنا چاہیئے اور جہاں کہیں یہ بلا اپنا سر نکالے وہاں فوراً وہ سیدھا سیدھا اسلامی رویہ اختیار کرنا چاہیئے جس کی تشریح اوپر کی جاچکی ہے۔ انہیں خصوصیت کے ساتھ نجوی کے خطرات سے ہوشیار رہنا چاہیئے، کیونکہ یہ جماعت میں تفرقے کی تمہید ہے۔ کسی مخلص آدمی کو اس بات کے لئے ہرگز راضی نہ ہونا چاہیئے کہ کوئی شخص سرگوشی کرکے کسی اختلافی مسئلے میں اسے اپنا ساتھی بنائے، اور جس وقت بھی اس امر کی ابتدائی علامات ظاہر ہوں کہ کچھ لوگ جماعت میں یہ طریقہ اختیار کر رہے ہیں اسی وقت جماعت کو ان کی اصلاح، یا پھر ان کی سرکوبی کے لئے تیار ہو جانا چاہیے۔ اِن ساری کوششوں کے باوجود اگر جماعت کے اندر کسی جتھہ بندی کا فتنہ رونما ہو ہی جائے تو پھر مخلصین کا یہ کام نہیں ہے کہ خود بھی کونوں اور گوشوں میں خفیہ سرگوشیاں کرکے کوئی دوسرا جتھا بنانے کے لئے ساز باز شروع کر دیں، بلکہ انہیں اس فتنے سے اپنا دامن بچا کر اس کو روکنے کے لئے انفرادی تدبیریں کرنی چاہئیں، اور ان میں ناکام ہونے کے بعد جماعت کے سامنے کھلم کھلا اس معاملے کو لے آنا چاہیئے۔ جس جماعت میں مخلص افراد کی کثرت ہوگی وہ اس طرح کے فتنوں سے خبردار ہو کر فوراً ہی ان کا استیصال کر دیگی، اور جس میں فتنہ پسند یا بے فکر افراد زیادہ ہوں گے وہ انہی فتنوں کی شکار ہو کر رہ جائے گی۔